ڈاکٹر طاہر عباس طیب
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

وقار بن الٰہی کے افسانوں کا تجزیاتی مطالعہ

Analytical study of the short stories of Waqar Bin Illahi

Waqar Bin Illahi is one of the short story writers of his age who has been striving hard for more than half a century to show his writing skills. He has a deep insight into social issues. He has felt the pain of different classes of society and has made them a part of his creative expressions with full artistic integrity. He has touched upon almost all the major issues of his society. Some of his writings unveil some bitter truths and expose the distasteful picture that is hidden from many. His pen touches upon various topics very skilfully. Among these are included the topics that portray human relationships and social bonds. After contemplating his writings, it can be said without a doubt that he has beautifully rendered the social inadequacies that we encounter in our lives at every step. On the priority topics, his stories highlight the theme of literature for the sake of life and the significance of his approach can be seen under such short stories. Additionally, this article is an attempt to study and analyze the issues, problems and environment of our society towards the common people-

Key words: major social issues, artistic integrity, bitter truths, expose the distasteful picture.

وقار بن الٰہی ایک ایسے افسانہ نگار جنہوں نے اپنے خون جگر سے فن کی آب یاری کی اور اپنی محنت اور شوق سے اُردو افسانے میں اہم مقام حاصل کیا۔ وہ اس اعتبار سے خوش قسمت ٹھہرے کہ جس عہد میں انہوں نے لکھنا پڑھنا شروع کیا وہ اُردو افسانے کا ایک بہترین دور تھا۔ اس دور میں معاشرتی، سیاسی، سماجی، نفسیاتی اور معاشی پہلوؤں کی نمائندگی کرنے والے اُردو کے عظیم افسانہ نگار موجود تھے جن میں کرشن چندر، بیدی، منٹو، احمد ندیم قاسمی، اے حمید اور دوسرے بہت سے اہم نام ہیں جنہوں نے اُردو افسانے کو ایک بہترین مقام تک پہنچایا۔ وقار بن الٰہی کا نام ابتداء میں ہی اُردو کے اہم افسانہ نگاروں میں شمار ہونے لگا تھا۔ ان کے افسانے انسانی زندگی کے مسائل کے بارے میں حقیقت پسندی، ہمہ جہتی اور مشاہدے کی بہترین مثالیں ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ حقیقت پسندی سماج

کی برائیوں اور اچھائیوں کی طرف ہماری توجہ مبذول کرواتی ہے کیونکہ اس کے بغیر ہم بُرائی یا اچھائی کو دیکھنے میں مبالغے سے کام لیتے ہیں اور تصویر کے مختلف پہلوؤں کو اس سے بھی زیادہ تاریک یا روشن دیکھتے ہیں جتنا کہ وہ فی الواقع نظر آتی ہیں۔ وقار بن الٰہی نے ۱۹۵۵ء میں لکھنا شروع کیا۔ اُن کے افسانے اہم ادبی رسائل میں چھپتے رہے جن میں " نقوش" ،"ادب لطیف"، "لیل و نہار"، "فنون"، "سیپ" اور "اوراق" شامل ہیں تاہم ان کے افسانوی مجموعے کافی دیر بعد منظر عام پر آئے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر رشید امجد لکھتے ہیں:

> "وقار بن الٰہی نے بطور افسانہ نگار اپنی پہچان اس وقت کرائی جب اردو افسانہ بیانیہ کے سنہری دور سے گزر رہا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ادب پڑھا جاتا تھا اور اس پر محفلوں میں گفتگو ہوتی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ممتاز مفتی نے رابطے کی بنیاد رکھی تو وقار بھی اس میں شامل ہوئے اور رابطہ کے جلسوں میں کہانیاں پڑھنے لگے۔ ان کہانیوں کو سن کر طمانیت ہوتی کہ وقار کا افسانہ نگار نہ صرف زندہ تھا بلکہ فنی ارتقائی مراحل بھی طے کر رہا تھا۔ ان کہانیوں نے نہ صرف چونکایا بلکہ موضوع گفتگو بھی بنیں۔۔۔ وقار بن الٰہی کی کہانیاں وسیع سماجی تناظر سے جنم لیتی ہیں۔ ان کے موضوعات زندگی کی کلیت سے جڑے ہوئے ہیں۔" (۱)

ادب اور زندگی کا تعلق بہت گہرا ہے۔ احتشام حسین کے الفاظ میں "یہ بات یقینی ہے کہ ادب زندگی ہی کا عکس پیش کرتا ہے۔"(۲) افسانہ ادب کی ایک توانا صنف ہے جس میں زندگی کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی ملتی ہے۔ انہی میں سے ایک نمایاں پہلو وہ ہے جو انسان کی معاشرتی زندگی سے متعلق ہے۔ انسان کا دوسرے انسانوں سے تعلق اور اس تعلق کی مختلف نوعیتوں اور ان کی پیچیدگیوں کی عکاسی افسانے میں بھرپور انداز میں ملتی ہے۔

وقار بن الٰہی نے اپنے افسانوں میں معاشرتی مسائل کو اجاگر کیا۔ انہوں نے سماج کے مختلف طبقوں کے دکھوں کو بہت قریب سے محسوس کیا ہے اور انہیں پوری فنکارانہ دیانتداری سے اپنی تخلیقی واردات کا حصہ بنایا ہے۔ اپنے معاشرے کے اہم مسائل پر انہوں نے قلم اٹھایا ہے۔ بقول ڈاکٹر رشید امجد: "ان کہانیوں کے زیادہ تر موضوعات انسانی زندگی کے چھوٹے چھوٹے دکھ، المیے اور بدلتی ہوئی معاشرتی صورتحال ہے جس میں دیہاتی یا قصباتی کردار شہری زندگی کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کی کوشش میں کہیں مضحکہ خیزی کا شکار ہوتے ہیں تو کہیں سماجی المیے سے دوچار۔"(۳) وقار کے بعض افسانے بہت تلخ حقائق سے پردہ اٹھاتے ہیں اور اس کریہہ منظر کو بے نقاب

کرتے ہیں جو اکثریت کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ بعض جگہ ان کا قلم شگفتگی کی طرف بھی مائل نظر آتا ہے اور انہوں نے ہلکے پھلکے انداز میں بھی بعض معاشرتی ناہمواریوں کی نشاندہی کی ہے۔ افسانہ "اترنا دریا میں" جو ان کے پہلے مجموعے کا نام بھی ہے۔ یہ افسانہ انسانی جذبات واحساسات کی بے حد لطیف عکاسی کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی کہانی ہے جس میں بیٹا اعلیٰ تعلیم کے لئے بیرون ملک جارہا ہے۔ والدین اس کی جدائی میں کرب اور تکلیف محسوس کررہے ہیں لیکن اس بات کا احساس بیٹے کو نہیں ہے۔ اسکے چہرے پر خوشی، شوخی اور کھنکتی ہوئی آواز موجود ہے۔ والدین نہ چاہتے ہوئے بھی کس مجبوری کی حالت میں اپنی محبت اور پیار کو اس کی خواہش پر قربان کرکے رخصت کرتے ہیں:

"بیوی نے مسکرا کے اس کی طرف دیکھا اور بولی۔ ایک بار بھی تو اس نے پلٹ کے ہماری طرف نہیں دیکھا۔۔۔ تو وہ بھی مسکرا دیا۔ ہاں ٹھیک کہتی ہو۔ لیکن جب انسان کے سامنے دیکھنے کے لئے بہت کچھ ہو تو اسے پلٹ کر دیکھنے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔"(۴)

جب بیوی اپنے شوہر سے افسردگی کی وجہ پوچھتی ہے تو وہ کہتا ہے۔

"میں تو صرف اس بات پر دکھی ہورہا ہوں کہ۔۔۔ آج سے پچیس برس پہلے جب میں نے اپنا گھر چھوڑ کر اس شہر میں آیا تھا، تو میرے آنے پر والدین کس قدر دکھی ہوئے ہوں گے۔۔۔ اور ضبط کے باوجود ایک آنسو سیدھا سٹیئرنگ پر آکے چمکنے لگ گیا۔"(۵)

یہ افسانہ اس حقیقت کی بھی عکاسی کرتا ہے کہ انسان کو دوسروں کی تکلیف، دکھ اور غم کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب وہ خود تکلیف سے گزرتا ہے۔ بظاہر یہ افسانہ ایک چھوٹے سے جذباتی منظر کو پیش کرتا ہے۔ جسے ہم کسی اسٹیشن یا ائیر پورٹ پر دیکھ سکتے ہیں لیکن اس افسانے میں وقار بن الٰہی نے انسانی جذبات اور نفسیات کو نہایت خوبصورت اور دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر انور سدید کہتے ہیں:

میں نے "اترنا دریا میں" پڑھا تو کئی دنوں تک اس بات پر غور کرتا رہا کہ میری زندگی کا یہ واقعہ وقار بن الٰہی تک کیوں کر پہنچا؟ یا پھر کہیں یہ بات تو نہیں کہ وقار بن الٰہی نے اس کتاب میں زندگی کی جتنی کاوشیں جمع کی ہیں وہ ہم سب کو مس کرچکی ہیں۔ (۶)

اسی افسانے کے بارے میں منشا یادر قمطراز ہیں:

"میں جب اس کے افسانے "اترنا دریا میں" کو پڑھتا ہوں مجھے الڈومیٹ کی گولی کھانا پڑ جاتی ہے۔ یہ ایسا افسانہ ہے کہ جس کے پاس ہو' اس نے اور کچھ نہ بھی لکھا ہو تو افسانے کی تاریخ میں اس کا نام زندہ رہ سکتا ہے۔"(۷)

افسانہ "بے بسی" میں ایک باپ کا بیٹی سے شدید محبت کا جذبہ نظر آتا ہے۔ اس افسانے میں باپ سے بیٹی کا جدا ہونے کا ڈر کتنا کرب ناک اور تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے۔ افسانے کا موضوع دراصل باپ سے بیٹی کی دوری کا دکھ ہے۔ اس افسانے کے بارے میں احمد جاوید کہتے ہیں۔

"اترنا دریا میں" اور "بے بسی" ایسی ہی دو کہانیاں ہیں جن میں گوشت سے ناخن کے جدا ہونے کا عمل پوشیدہ ہے۔ یہ ذات کے اپنے ہی اندر گم ہونے کا عمل ہے اور پھر ایک گہری چپ ہے جو پورے وجود پر پھیل جاتی ہے۔"(۸)

"اپنی آنکھ کا شہتیر" میں ہماری معاشرتی برائی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ کس طرح ہم دوسروں کی برائیوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور جب وہ برائیاں ہم اپنے اندر دیکھتے ہیں تو ہمیں محسوس ہی نہیں ہوتی۔ اس افسانے میں بیگم جعفری سے تین چار بیگمات ملنے کے لیے آتیں ہیں تو وہ اپنی ملازمہ سے کہتی ہے۔ انہیں ٹالتے ہوئے تمہیں موت آتی تھی۔ لیکن جب وہ ان سے ملتی ہے تو اپنے چہرے پر مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے ان کا استقبال کرتی ہے۔ شاید یہی ہمارا بناوٹی چہرہ ہے۔ بیگم جعفری بھی انہیں لوگوں میں سے ہے جو دوسروں کی برائیوں پر توتوبہ توبہ کرتی ہیں لیکن وہی برائی جب اپنی بیٹی میں نظر آتی ہے تو اس عمل پر فخر محسوس کرتی ہے۔

"نام لیوا" نسبتاً مختلف افسانہ ہے۔ تاشقند جو مسلمانوں کے علوم وفنون کے اعتبار سے شہرت رکھتا تھا، آج اسی شہر میں مسلمانوں کی مٹتی ہوئی اقدار اور تہذیب و تمدن کے نقوش کو دیکھ کر حیرت اور پریشانی ہوتی ہے۔ وہاں کے باشندے جو صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں وہ ریاستی جبر اور کھوکھلی تہذیب کے ہاتھوں اپنی قدریں اور تہذیب و تمدن کو فراموش کر بیٹھے ہیں لیکن اب بھی چند ایک کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن ہے۔ اس کی مثال تاشقند کے مضافات کے لوگوں کی ہے۔ انہیں جب پتہ چلتا ہے کہ تین پاکستانی سے آئے ہوئے ہیں تو یک لخت ایک ہجوم کی شکل میں اکٹھے ہو جاتے ہیں اور ان کے لبوں سے السلام علیکم کے الفاظ سننے کو ملتے ہیں۔ اسی بھیڑ سے ایک کسان اپنے بیٹوں کے ساتھ پاکستانی مہمانوں کو انار پیش کرتا ہے اور دروازے پر کھڑا ہو کر اپنے بیٹوں کے ساتھ دعا مانگتا ہے۔

پائداریٔ اسلام، درازیٔ اسلام ۔۔۔ یہ الفاظ بوڑھے کسان کے ہونٹوں پر تھے اور اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو چہرے کی جھریوں میں جذب ہو رہے تھے۔ بقول حمید شاہد:

"نام لیوا کی کہانی اس حقیقت سے پردہ اٹھاتی ہے کہ ایمان کی مہک ریاستی جبر اور تہذیبی اکھاڑ پچھاڑ کے باوصف اندر ہی اندر شریانوں میں، سانسوں میں اور روح میں نسل در نسل سفر کرتی ہے۔ تاشقند کے حسین اور قبیح مناظر دکھاتی کہانی کا رخ جب شہر سے مضافات کی طرف مڑتا ہے تو جھریوں بھرے چہرے، جلی ہوئی رنگت اور چیتھڑوں میں ملبوس کسان سامنے کی میز پھلانگ کر دوسری جانب آتا ہے اور السلام علیکم کہہ کر سرخ موٹے انار انہیں محض اس لیے پیش کر دیتا ہے کہ وہ مسلمان ہیں، اس مذہب سے متعلق جو نسلوں سے ان کے اندر سے، بے دردی کے ساتھ تقریباً کھرچ ہی دیا گیا تھا، تو میرا دل جذبوں کی حدت سے لبالب ہو جاتا ہے۔"(۹)

افسانہ ''نگران'' میں وقار بن الٰہی نے ہمارے ملک کے تعلیمی نظام میں پیدا ہونے والی بدعنوانیوں اور خرابیوں کی نشاندہی کی ہے کہ امتحانی مرکز میں ایمان دار ناظم ہونا کتنا مشکل اور کٹھن کام ہے۔ اس افسانے میں امتحانی مرکز میں بدعنوانی کرانے والوں میں علاقے کا چودھری، ٹوپیوں والا شیخ اور امتحانی مرکز میں ڈیوٹی دینے والے دو نگران، یہاں تک کہ چھابڑی اور ریڑھی والے اور اس علاقے کے آس پاس رہنے والے لوگ بھی سپورٹ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس افسانے کے بارے میں منشایاد لکھتے ہیں کہ ''تکنیکی لحاظ سے بھی یہ افسانہ بہت مکمل اور بھرپور ہے۔ کلائمیکس کے ڈرامائی موڑ نے اس افسانے کے تاثر میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے۔'' (۱۰)

"کس سے کہے وہ'' وہ افسانہ ہے جس پر وقار بن الٰہی نے اپنے دوسرے مجموعے کا نام رکھا ہے۔ اس افسانے میں ایک بے قصور عورت مہر کی الم ناک کہانی بیان کی گئی ہے جسے ہر جگہ بے عزتی، رسوائی اور عصمت دری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ اس قدر بے سہارا، بے بس اور بے یار و مددگار ہے کہ اسے مشکل حالات سے فرار کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی۔ وہ جسے بھی اپنا ہمدرد بناتی ہے اور اپنا دکھ بیان کرتی ہے وہ بجائے ہمدردی کے اسے اپنا شکار بنانے کی کوشش کرتا۔ چنانچہ مہر اتنی کمزور ہو گئی کہ اب وہ کسی سے اپنا دکھ کہنے کے قابل ہی نہ رہی۔ اس طرح اس افسانے کا عنوان بھی معنی خیز اور دردناک ہے۔ ڈاکٹر انور زاہدی کے مطابق:

"وقار کے افسانوں میں سماجی حقیقت نگاری اور بیانیہ کا ایک بھرپور امتزاج پڑھنے والے کو ملتا ہے۔ وہ اپنے اردگرد کی دنیا میں بکھرے ہوئے چھوٹے موٹے واقعات سے انسانوں کا فیبرک تیار کرتے ہیں پھر اس فیبرک میں بیانیہ کی روایت سے گلدوزی کر کے' اسلوب بیان کی توانائی سے ایک گتھی ہوئی کہانی اپنے پڑھنے والے کو دیتے ہیں۔"(۱۱)

افسانہ "پاگل مودی" کا کردار مودی اپنے ماں باپ کے ساتھ گاؤں میں رہتا تھا۔ اس کے بھیا کی شادی ہوئی تو بھیا اور بھابی اسے اپنے ساتھ شہر لے آئے۔ ابتدا میں تو اس کا دل نہ لگا لیکن ایک دن جب اس نے گلی میں کسی لڑکے کو سائیکل چلاتے دیکھا تو بھیا سے سائیکل دلانے کی ضد کی۔ بھیا نے اس کو سمجھایا کہ وہ ہر ماہ بیس روپے رکھے گا اور پانچ مہینوں میں اس کی سائیکل آجائے گی۔ پانچ ماہ کے بعد اس نے بھابی سے پوچھا کہ بھائی آج میری سائیکل لے آئیں گے تو بھابی نے اسے بتایا کہ جو روپے جمع کیے تھے وہ چوری ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر مودی بہت رویا۔ یہ افسانہ رشتوں کی دوری اور سرد مہری کا چہرہ دکھاتا ہے۔ مودی کا بھائی اپنی بیوی کے لیے کوٹ خرید لیتا ہے لیکن مودی کی سائیکل نہیں خریدتا۔ اس افسانے کو اس حوالے سے بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ محدود وسائل رکھنے والے طبقے کو عام طور پر ایک خوشی حاصل کرنے کے لیے دوسری خوشی کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ ممکن ہے مودی کا بھائی اسے سائیکل دلانا چاہتا ہو لیکن ساتھ ہی اس کی بیوی کو گرم کوٹ کی ضرورت بھی ہے اس لیے اس نے بیوی کی خواہش کو مقدم سمجھا ہے اور اس کی معصومیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی خواہش کو پورا نہ کرنا ایک المیہ ہے۔ افسانہ "ماں بیٹی" مکافاتِ عمل کی کہانی ہے۔ اللہ داد کی بیوی نے بھی اپنا گھر چھوڑ دیا تھا اسی طرح اب اس کی بیٹی نے بھی وہی کیا جو اس کی ماں نے کیا تھا۔ یہ افسانہ زندگی کا ایک چکر مکمل ہونے کی کہانی ہے۔ اس میں موجود پیغام بھی بین السطور ہے۔ ماں باپ کے افعال و اعمال اولاد پر غیر محسوس طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس کہانی میں انہی اثرات کو عملی شکل اختیار کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

افسانہ "بزدل ماں" ایک ماں کی کہانی ہے جس کا اپنا بیٹا گلباز پرانی دشمنی کی نذر ہو گیا۔ اب وہ انتقام کی آگ میں جل رہی تھی۔ وہ اپنے بیٹے دوست محمد سے کہتی ہے کہ تو اپنے بھائی کا بدلہ کب لے گا لیکن آخر میں یہ افسانہ ایک ایسی ماں کی کہانی بن جاتا ہے جس کے دل میں دو شدید جذبوں کی کشمکش جاری ہے۔ ایک تو انتقام کی آگ اور دوسرا امتا کا جذبہ۔ وہ کسی دوسری ماں سے اس کے بیٹے کو چھیننا نہیں چاہتی کیونکہ جس کرب اور دکھ سے وہ گزری

تھی، وہ تکلیف کسی اور ماں کو نہیں دینا چاہتی۔ معاشرتی مسائل کے متعلق وقار بن الٰہی کی یہ کہانیاں سماج کے بدلنے اور اقدار کی شکست وریخت کے مختلف زاویوں کو سامنے لاتی ہیں۔ ڈاکٹر رشید امجد کے بزدیک:

"وقار نے ان کہانیوں میں چھوٹے چھوٹے منظر ناموں کی بجائے پس منظر میں پورے سسٹم، سماج اور اس کے ان متعلقات کو سامنے رکھا ہے جو اندر ہی اندر اگرچہ کھوکھلے ہو رہے ہیں لیکن ان کا ظاہری رکھ رکھاؤ اسی طرح قائم ہے۔ ان کہانیوں میں رشتوں کے نئے زاویے سامنے آتے ہیں۔ ایک نیا بنتا ہوا سماج اپنا احساس کراتا ہے۔"(۱۲)

افسانہ ''کڑی سزا'' مشرق و مغرب کی تہذیب اور اقدار کے درمیان موجود نمایاں فرق کو پیش کرتا ہے۔ مسٹر جعفری جو امریکہ رہتے ہوئے مسٹر جیفرے بن جاتا ہے۔ اس نے یوں تو امریکہ میں سب کچھ حاصل کر لیا مگر ذہنی طور پر اسے سکون حاصل نہ ہو سکا۔ امریکہ میں شادی کی تو امریکن بیوی نے اطلاق اس لیے لی کہ اس کے گھر سے مشرقی معاشرے کی بُو آتی ہے اور اس کی دونوں بیٹیاں مغربی تہذیب کے چنگل میں بُری طرح پھنس چکی تھیں کہ بڑی بیٹی باپ کو قانون کا سہارا لینے کی دھمکی دیتی یہ وہ کڑی سزا تھی جو مسٹر جیفرے کو اپنی مٹی اور تہذیب سے دور رہ کر برداشت کرنی پڑی۔ اس افسانے میں بیرون ملک رہنے والے لوگوں کی اندرونی کشمکش کو بیان کیا گیا ہے۔ افسانہ نگار اس کھوکھلی تہذیب کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہے جو بظاہر تو اتنی چمک دار اور آنکھوں کو خیرہ کرنے والی ہے لیکن اس کی اصل سے وہی لوگ واقف ہیں جنھوں نے اسے اپنانے کے بعد اس کا گھناؤنا روپ دیکھا ہے۔ اس نام نہاد ترقی یافتہ تہذیب میں ہلچل، چمک دمک اور مصنوعی مسکراہٹیں تو ہیں لیکن خلوص اور سکون میسّر نہیں ہے۔ اس سلسلے میں احمد جاوید کہتے ہیں:

"وقار بن الٰہی واقعات سے نہیں 'کرداروں سے کہانیاں بناتے ہیں۔ وقار کا فن جو گزشتہ چالیس پنتالیس برسوں پر محیط ہے' ان کے ایک ایسے سفر کی داستان ہے جو جذبے سے احساس کی طرف 'کردار سے وقوعے کی طرف اور حقیقت سے علامت کی طرف ارتقا کرتا ہے اور اس طرح ایک اعتبار سے یہ داستان اس کے افسانے کی ہی نہیں ہمارے معاشرے کی بھی ہے۔" (۱۳)

"فاتحہ کا الاؤنس" اس کہانی میں بیگ صاحب نے جو اپنے ماتحت کی میت کی تدفین کے لیے قبرستان آئے تھے، میت کی تدفین سے فارغ ہو کر قبرستان کا جائزہ لیا۔ قبرستان منظم حالت میں تھا اور تمام قبروں پر سنگ مرمر

کے ساتھ ہر ایک قبر کے کتبے پر مرنے والے کے کوائف درج تھے۔ بیگ صاحب قبرستان سے فراغت کے بعد جب گھر لوٹے تو خالی گھر کو دیکھ کر اس کی بیزاری میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ ان کی یہ معصوم سی خواہش ہر اکیلے ماں باپ کی ہے کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی قبروں پر اولاد فاتحہ پڑھنے ضرور آیا کریں اور حکومت اس سلسلے میں الاؤنس بھی مقرر کرے تاکہ بچے اپنے والدین کی قبروں پر آیا کریں۔ وقار بن الٰہی نے موجودہ معاشرے میں فرد کے تنہا ہونے کی صورت حال کو نہایت خوبی سے اجاگر کیا ہے۔ بقول شہزاد منظر: آج ہر شخص معاشرے کا تنہا انسان ہے۔ یہ صنعتی دور کی لعنت ہے کہ ایک ہی عمارت اور ایک ہی فلیٹ میں رہنے والا شخص اپنے پڑوسی سے واقف نہیں اور اسی لیے وہ اس کے دکھ سکھ اور خوشی اور غم میں شریک ہیں۔"(۱۴)

ادب کا ایک وظیفہ انسانی نفسیات کی عکاسی ہے۔ وقار بن الٰہی کے ہاں بھی انسانی نفسیات کے دلچسپ تجزیے ان کے افسانوں کی صورت میں ملتے ہیں۔ انہوں نے انسانی نفسیات کا باریک بینی سے مشاہدہ کیا ہے۔ پریم چند کے مطابق: "اعلیٰ ترین مختصر افسانہ وہ ہوتا ہے جس کی بنیاد کسی نفسیاتی حقیقت پر رکھی جائے۔" (۱۵) اس حوالے سے وقار کے بعض افسانے احساس کی شگفتگی کا پہلو بھی رکھتے ہیں۔ افسانہ "مہلت" میں ایک شخص پڑوس میں رہنے والے دوست کی ناگہانی موت کی خبر سنتے ہی بے چین ہو جاتا ہے تو اسے فوراً ہی اپنے بچوں کا خیال آتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی موت کے بعد اس کے بچے اکیلے رہ جائیں۔ اس نے خدا سے مہلت مانگی کہ میں اپنے بچوں کی شادیاں کر سکوں۔ اب اس کی تمام خواہشات پوری ہو گئیں۔ اچانک اسے ایک خوف محسوس ہو رہا تھا۔ اب وہ تھوڑی سی مہلت مانگتا ہے کہ اسے اتنی مہلت مل سکے کہ اس کی بیوی اکیلی نہ رہ جائے۔ اس افسانے میں جہاں انسان کی معصوم اور نہ ختم ہونے والے خواہشوں کا بیان ہے وہیں رشتوں کے تقدس کا خیال رکھنے اور ان سے محبت کا جذبہ بھی نمایاں ہے۔

"ڈیڑھ صدی انگاروں پر" افسانے میں رشتوں کے تقدس کا عکس نمایاں ہے۔ اس افسانے میں والدین بیٹے کی جدائی کی کیفیت کو بہت کرب اور دکھ کے ساتھ محسوس کرتے ہیں کہ ڈیڑھ سال بیٹے کی جدائی والدین کے لیے ڈیڑھ صدی انگاروں پر چلنے کے مترادف نظر آتی ہے۔ اس کیفیت کو وہی محسوس کر سکتا ہے جو اس قسم کی جدائی اور کرب سے دوچار ہوا ہو۔ اس افسانے کے بارے میں حمید شاہد لکھتے ہیں:

> "ڈیڑھ صدی انگاروں پر" میں بھی اکیلے رہ جانے والے ماں باپ ہیں اور جذبوں کا وہ سمندر جو ان کے سینوں میں موجزن ہے۔ ماں بھی غم زدہ ہے، ماں سے زیادہ باپ کا دل

دکھی ہے مگر اسے اپنی بیوی کو دلاسا دینا ہے۔ لہٰذا دل پر جبر کرتا ہے۔ یوں کہ ضبط کرنے والے کے اپنے آنسو نکل جاتے ہیں۔ (۱۶)

"تیسرا آدمی" بھی ایک ایسا افسانہ جس میں تربیت کے اثرات ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتے دکھائے گئے ہیں۔ اس افسانے میں اس شخصیت یعنی تیسرے آدمی کے نمودار ہونے کی بات کی ہے جسے اس کردار کی تربیت اور اس کے مزاج نے کہیں اندر چھپا دیا تھا اور آج موقع پا کر اس کے وہ جذبات باہر نکل آئے۔ افسانہ "بڑی ماں" ایک ماں کی ممتا اور باوفا بیوی کی کہانی ہے۔ بڑی ماں ہر روز ڈاکیے کے انتظار میں دروازے کی راہ تکتی رہتی کہ شاید اس کے بیٹے کی کوئی خیر خبر مل جائے۔ اس کے ساتھ بڑی ماں منت مانگتی ہے' زندہ پیروں کے پاس جانے کی اسے اجازت نہ تھی ایک روز اسے کسی نے بتایا کے پہاڑی کی چوٹی پر ایک بزرگ کا مزار ہے جو کوئی وہاں پر ایک گھڑا پیدل پانی کا لے جائے اس کی منت پوری ہو جاتی ہے۔ اس بات کو سنتے ہی بڑی اماں فوراً صبح دو گھڑے پیدل پہاڑی پر لے کر جاتی ہے اور پھر جب ایک دن اس کا بیٹا اسے مل جاتا ہے تو وہ اسے بہت پیار کرتی ہے۔ افسانے کا تجزیہ کرتے ہوئے حمید شاہد لکھتے ہیں:

"افسانہ " بڑی اماں" بھی سچے اور کھرے جذبوں سے بنایا گیا ہے۔ کہانی میں ایک ماں ہے جو بیٹے کی جدائی میں تڑپ رہی ہے ایک باپ ہے جو جذبوں کے آگے روک باندھتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ مرحلہ آجاتا ہے جب ایک ماں ایک بیوی سے شکست کھا جاتی ہے۔ ماں باپ اور اولاد کے بیچ محبت کی تکون بناتی ساری کہانیوں میں افسانہ نگار خود نہ صرف پیار سے دھپا مار کر منہ چومنے والے بزرگ کی طرح دکھائی دیتا ہے بلکہ ہمیں وہ تہذیب اور جذبے بھی دکھاتا رہتا ہے جو رفتہ رفتہ متروک ہو رہے ہیں یا جنہیں ہم نادانی میں متروک کر دینے پر تلے بیٹھے ہیں۔" (۱۷)

"اپنی اپنی صلیب" ایک علامتی افسانہ ہے۔ اس افسانے میں تمام انسان اپنا ہی بوجھ اٹھاتے نظر آرہے ہیں اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا گویا نفسا نفسی کا دور ہے۔ ہر ایک دوسرے کو کم تر ثابت کرنے اور آگے بڑھنے کی جستجو میں لگا ہوا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ بھرے سماج میں تنہا نظر آتا ہے۔ کالی عورت" ایک ایسا افسانہ ہے جس میں تجسس کا عنصر موجود ہے۔ اس کے ساتھ اس میں یہ نکتہ بھی سامنے آتا ہے کہ اگر عورت کی محبت کو دھوکا دیا جائے تو وہ موقع پا کر مرد کی جان بھی لے سکتی ہے۔ اس افسانے میں عورت کے انتقام کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ بے

وفائی برداشت نہیں کر سکتی۔ اس نے اپنی محبت کو اپنے ہی ہاتھوں سے قتل کر دیا۔ اس افسانے میں وقار بن الٰہی نے تجسس اور ڈرامائی انداز کو برقرار رکھا ہے۔ افسانہ ''اپنا گھر اپنی آگ'' عورت کی بے وفائی کے موضوع پر ہے۔ اس افسانے میں ایک ایسی عورت کی کہانی بیان کی گئی ہے جو اپنے سسر کے پہلو میں سوتی ہے اور اس پر شرمسار بھی نہیں۔ اس افسانے کا عنوان بھی پُر معنی اور دردناک ہے۔ دیقا کے کردار پر افسانہ نگار نے خصوصی توجہ دی ہے اور اسے بہت خوبصورتی سے تراشا ہے۔ اس کے انداز و اطوار اس کی نفسیات اور جذبات کی عکاسی کرتے ہیں۔ شادی سے پہلے، شادی ہونے پر اور بیوی کو طلاق دینے کے بعد تینوں حالتوں میں اس کے افعال و اعمال کو افسانہ نگار نے نہایت فطری انداز میں پیش کیا ہے جس سے افسانے کے تاثر کو گہرا کرنے میں مدد ملی ہے۔ افسانہ ''انتظار'' کے مرکزی کردار کالے خان کو اکیس برس کی جیل ہوئی۔ اس افسانے میں فجی جو اپنے محبوب شوہر سے اس لیے طلاق لیتی ہے کہ اسے ایک طویل عرصہ انتظار گوارا نہ تھا۔ اس افسانے میں ہمیں جیل کے بیرک کے حالات اور ماحول کا بھی پتہ چلتا ہے اور ساتھ کالے خان کے دکھ کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ وقار بن الٰہی نے دلکش اسلوب اور ڈرامائی انداز سے اس کہانی میں جان پیدا کر دی ہے۔ انہوں نے اس افسانے میں معاشرتی رویے کی ناہمواری کو پیش کیا ہے۔ وقار بن الٰہی نے اس افسانے میں واقعات کی ترتیب میں منطقی انداز برقرار رکھا ہے۔ افسانہ ''چور'' میں وقار بن الٰہی نے عورت کی بے وفائی کا نقشہ کھینچا ہے۔ منگل سنگھ چودہ برس جیل کاٹنے کے بعد سرجیت سے ملنے کے لیے بے چین تھا لیکن سرجیت کو منگل سنگھ کے انتظار کا یارانہ تھا۔ اس نے پریم سے شادی کر لی، وہی پریم جس کی وجہ سے منگل سنگھ کو چودہ برس جیل ہوئی تھی۔

افسانہ ''بٹوارہ'' باپ کی وفات کی خبر سن کر چاروں بیٹے اور ان کی بیگمات کی آمد کا مقصد باپ کا غم اور جدائی نہیں بلکہ جائیداد کا بٹوارہ کرنا ہے۔ ابھی تو باپ کا کفن بھی میلا نہیں ہوا تھا کہ مکان اور مکان میں رکھی ہوئی چیزوں کی تقسیم شروع ہو گئی۔ ہر کوئی زیادہ مال بٹورنے کے چکر میں ہے اور جائیداد کی تقسیم میں سب بھائی دوسرے سے سبقت لے جانے اور جائیداد میں زیادہ حصے کی کوشش میں نظر آتے ہیں۔ جب مکان اور اس میں رکھی ہوئی چیزوں کی تقسیم ہو گئی تو چھوٹے بھائی کی نظر سامنے دیوار پر آویزاں باپ کی تصویر پر پڑی۔ تصویر کو دیکھتے ہی جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ خاصی دیر کے بعد تیسری بہو نے کہا کہ یہ تصویر میں لے لیتی ہوں اور یوں سب نے سکھ کا سانس لیا۔ اس کہانی میں انسانی حرص رشتوں کے تقدس کو بھول جاتی ہے۔ اس کے نزدیک رشتوں سے زیادہ مال و دولت اہم ہے۔ بیٹوں کو باپ سے زیادہ باپ کی جائیداد اور مال و دولت سے غرض ہوتی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کی

رائے میں:"وقار بن الٰہی کے افسانوں میں سماجی شعور' اقدار اور سماجی رشتوں کی شکست وریخت بھرپور انداز سے نظر آتی ہے۔ اگر کوئی چاہے تو پاکستانی معاشرے کی باطنی تاریخ ان افسانوں کی مدد سے لکھ سکتا ہے۔"(۱۸)

"قاتل" میں شیرو کا کردار ہے جسے عدالت نے قتل کے جرم میں سزائے موت سنائی ہے۔ آج اس کال کوٹھڑی میں اس کی آخری رات تھی۔ عدالت میں اس کی ماں اور عزیز واقارب نے شیرو کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہ خود ہی عدالت میں کہہ دیتا کہ میں نے قتل کیا ہے اور مجھے اس کی سزا ملنی چاہیے۔ مرزا جو جیل میں اس کا ساتھی تھا، اس نے شیرو سے ہمدردی اور پیار سے پوچھا تو اس کے دل میں موجزن لاوا پھٹ پڑا اور وہ مرزا سے کہنے لگا۔ افسانے میں شیرو جو اپنی بہن سے جنون کی حد تک محبت کرتا ہے، اگر کوئی شخص اس کی بہن کو بری نظر سے دیکھتا تو وہ اس کی آنکھیں نکالنے کے لیے تیار ہو جاتا یہاں تک کہ شیرو ایک ایسے شخص کو قتل کر دیتا ہے جس سے اس کی بہن محبت کرتی ہے۔ وقار بن الٰہی کے افسانوں میں انسان کے سماجی رشتوں کی متنوع صورتوں کو سامنے لانے کے ساتھ ساتھ ان کی موجود صورتحال پر اپنے رد عمل کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ وقار بن الٰہی کے افسانوں میں مواد، موضوع' پلاٹ' کردار نگاری' منظر نگاری' مکالمہ نگاری اور دلکش اسلوب کا استعمال کئی اعتبار سے منفرد ہے۔ ان کا یہ اسلوب ان کی پہچان ہے۔ ان کے ہاں زبان کی شگفتگی اور کشش کا رنگ نمایاں ہے۔ ان کے جملے نہایت خوبصورت اور معنویت سے بھرپور ہیں۔ ان کے پاس کہانی بنانے' اس کو نکھارنے اور مخصوص انداز میں آگے بڑھانے کی بے پناہ صلاحیت ہے۔ انہیں اظہار خیال پر عبور حاصل ہے۔ وہ کم سے کم لفظوں میں بڑے بڑے واقعات سمیٹ لیتے ہیں۔ ڈاکٹر رشید امجد اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> "ان کہانیوں کی دبازت صرف سماجی رشتوں یا کرداروں کی تصویر کشی تک محدود نہیں بلکہ پورا سیاسی سماجی تناظر موجود ہے۔ ان کہانیوں کی ایک خاص بات وہ بے چینی اور بے اطمینانی ہے جو کبھی کبھی ہلکے طنز کا روپ بھی اختیار کر لیتی ہے۔ یہ بے اطمینانی اور بے چینی اس ردِ عمل کا اظہار ہے جو فنکار کے اندر پیدا ہو رہا ہے۔" (۱۹)

ہر افسانہ نگار اپنے موضوعات اپنے تجربات کے دائرے اور اپنے ارد گرد کے ماحول سے چنتا ہے۔ اب یہ بات اس کے تخیل اور مزاج پر منحصر ہے کہ وہ اپنے مشاہدات کو کس طرح پیش کرتا ہے اور کونسی بات اس کے تخیل میں جگہ پاتی ہے۔ وقار کی تحریریں پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ ان کا مشاہدہ کتنا گہرا اور تیز ہے اور وہ ڈھکی چھپی اور

نظر نہ آنے والی باتوں کو کس طرح پکڑ لیتے ہیں۔ ان کے موضوعات میں معاشرتی ناہمواریوں پر بھی گہرا طنز ملتا ہے اور ان کی تہوں میں جھانکا جائے تو یہ مرتی ہوئی انسانیت اور ہماری اخلاقی بے حسی پر ماتم دکھائی دیتا ہے۔ ان کے افسانوں میں نفسیاتی مسائل اور جذباتی پیچیدگیوں اور ذہنی کیفیات کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ ان کے موضوعات میں سچی عصری زندگی اور اس کے مسائل کا شعور ملتا ہے۔

His stories usually carry a progressive outlook and reformatory social message.[۲۰]

وقار بن الٰہی کے افسانوں کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات بلا تامل کہی جا سکتی ہے کہ ان کے موضوعات میں سماجی ناہمواریاں جو ہماری زندگی میں قدم قدم پر موجود ہیں ان کی بڑی خوبصورت عکاسی ملتی ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے موضوعات میں اسلوب کی ندرت اور انداز بیان سے زندگی کی روح پھونک دی ہے۔ وقار بن الٰہی نے اپنے موضوعات میں انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔ وقار بن الٰہی کے بیشتر افسانوں میں معاشی اور نفسیاتی طور پر شکست سے جنم لینے والی حزنیہ کیفیت ملتی ہے۔ ان کے ہاں طبقاتی شعور کے ساتھ ساتھ نفسیاتی شکست کو بڑے واضح انداز میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ان افسانوں میں ہمارے کھوکھلے رویے بے نقاب کیے گئے ہیں۔ اس ضمن میں منشا یاد کہتے ہیں:

> "وقار بن الٰہی کے فنِ افسانہ نگاری کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر کہانی کو موضوع کے مطابق نیچرل اور موزوں اسلوب کا جامہ پہناتے ہیں۔ انہوں نے پہلے سے اسلوب کا سلا سلایا لباس یا سانچہ تیار کر کے نہیں رکھا ہوتا جس میں ہر کہانی کو فٹ کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ کہانیاں ان کے سابقہ مجموعوں میں تمثیلی، علامتی اور نیم علامتی اسلوب کی حامل تھیں کیونکہ یہ سیاسی جبر اور سماجی بے اعتدالیوں کے موسم میں لکھی گئی تھیں۔" (۲۱)

وقار بن الٰہی کا باریک بین مشاہدات، احساسات اور تجربات زندگی کے معمولی سے معمولی واقعے میں کرداروں کے چشم و لب کی ہلکی سے ہلکی جنبش پاکستان کی تاریخ اور حالات کی عکاسی کرتی ہے۔ وقار بن الٰہی کے افسانوں میں جسم یا مادے کی دنیا اور اخلاق اور روح کی دنیا کی بہترین قدروں کے حامل ہونے کے باوجود صرف ایک محدود طبقے کے لیے دلچسپی اور تاثیر کا سرمایہ فراہم نہیں کرتے بلکہ ان میں خواص اور عوام دونوں کے لیے دلچسپی اور

تاثیر موجود ہے۔ ادیب سہیل کہتے ہیں: کہ ''میرے ذہن نے وقار کو ایک اچھے افسانہ نگار کی حیثیت سے اب سے بر سوں پہلے قبول کیا تھا وہ تاثر ہنوز باقی ہے''۔ (۲۲)

وقار کا ہر افسانہ ان کے شخصی تاثرات کا سچا عکس اور آئینہ ہوتا ہے۔ ان کے افسانوں کے موضوعات کا انتخاب ان کی فنکارانہ صلاحیت کا بہترین نمونہ ہیں۔ یہ افسانے فن کی پختگی اور فن کار کی محنت کے بہترین مظہر ہونے کے علاوہ زندگی کے ایسے نقوش ہیں جنہیں برسوں سے ماضی کی تاریخی' تہذیبی اور معاشرتی روایت اور حال کی سیاست اور معیشت اور اخلاق کے پیچیدہ مسائل اور ان مسائل میں الجھنے والے انسانوں نے اسی طرح مل جل کر بنایا ہے کہ زندگی اپنی ساری تلخی اور ناخوش گواری کے باوجود دل کش اور دل فریب معلوم ہوتی ہے۔ یہ بات صرف اس طرح سے پیدا ہوئی ہے کہ افسانہ نگار نے زندگی کو اس کے نہاں خانوں میں گھس کر بے نقاب دیکھا اور اس کے حسن وعیب کو اپنی نظر کا چراغ بنایا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

> "آزادی کے بعد نئے افسانہ نگاروں کی جو کہکشاں آراستہ ہوئی تھی وقار بن الٰہی اس کہکشاں کا ایک روشن ستارہ ہے۔ میں نے رسالہ '' نقوش'' میں ان کا ایک افسانہ پڑھا تو خوشی ہوئی کہ زمین پر چلنے والے انسانوں کا دکھ محسوس کرنے کے باوجود وقار بن الٰہی نے اپنے افسانے کو ترقی پسند کلیشوں کا شکار نہیں ہونے دیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس نے وطن کو اور انسان کو اور معاشرے کی صادق اقدار کو افسانوں کا موضوع بنایا ہے تو درحقیقت زندگی کی ان قاشوں کو پکڑنے کی کوشش کی ہے جن پر افسانے لکھے بغیر وہ طمانیت حاصل نہیں کر سکتا تھا۔" (۲۳)

زندگی پر وقار بن الٰہی کی نظر تیز بھی ہے اور گہری بھی۔ ان کے دل نے محبت بھی کی ہے اور نفرت بھی اور ان دونوں رنگوں کو قریب سے دیکھا اور برتا ہے اس لیے انہوں نے اچھے اور برے کرداروں کے احساسات وجذبات اور افکار کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے اس میں مشاہدے کی مہارت کے علاوہ فن کارانہ حسنِ انتخاب کا بڑا عمل دخل ہے۔ سب کچھ دیکھ کر بھی سب کچھ کہہ دینے کی ہوس کے بجائے نفسیاتی اجمال اور شاعرانہ ایجاز کو اظہار کا وسیلہ بنانا فن کی عظمت کی دلیل ہے اور اس عظمت کا احساس وقار بن الٰہی کے افسانوں کے مطالعے سے کیا جاسکتا ہے۔ ان کے افسانے انسانی ہمدردی اور خلوص کے جذبے سے سرشار ہیں۔ انہوں نے اپنے افسانوں کو محسوساتی سطح پر حقائق کا عملی جامہ پہنایا جس سے فرد کی نفسیاتی اور ذہنی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ رشید امجد، ڈاکٹر، ''افسانوں کے دو مجموعے'' مشمولہ ''اوراق'' لاہور، جلد ۲۸، مئی جون ۱۹۹۳ء، ص ۳۶۰
۲۔ احتشام حسین، پروفیسر، ''عکس اور آئینے''، ادارہ فروغ اردو، لکھنؤ، س ن، ص ۲۲۴
۳۔ ارشید امجد، ڈاکٹر، ''افسانوں کے دو مجموعے'' مشمولہ ''اوراق''، ص ۳۶۱
۴۔ وقار بن الٰہی، ''اترنا دریا میں'' مشمولہ ''اترنا دریا میں''، پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈز، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۱۶
۵۔ ایضاً، ص ۱۷، ۱۶
۶۔ انور سدید، ڈاکٹر، تبصرہ ''اترنا دریا میں'' مشمولہ ''اوراق'' لاہور، نومبر دسمبر ۱۹۹۲ء، ص ۴۰۵
۷۔ منشایاد، فلیپ ''چاہ درپیش'' نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۰ء
۸۔ احمد جاوید، ''وقار بن الٰہی کی افسانہ نگاری'' (مضمون)، غیر مطبوعہ
۹۔ حمید شاہد، ''چاہ درپیش اور پنگھڑی کا گداز''، روزنامہ ''پاکستان، پیر ۱۹ اگست ۱۹۹۳ء
۱۰۔ منشایاد، ''چاہ درپیش'' (مضمون)، غیر مطبوعہ
۱۱۔ انور زاہدی، ڈاکٹر، ''مختار سے باوقار افسانہ نگار'' (مضمون) غیر مطبوعہ
۱۲۔ رشید امجد، ڈاکٹر، ''افسانوں کے دو مجموعے'' مشمولہ ''اوراق'' لاہور،، ص ۳۶۲
۱۳۔ احمد جاوید، فلیپ ''چاہ درپیش'' (وقار بن الٰہی)، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، طبع اول ۲۰۰۰ء
۱۴۔ شہزاد منظر، ''ردِ عمل''، منظر پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۸۵ء، ص ۱۳۳
۱۵۔ پریم چند، ''مضامین پریم چند'' مرتبہ: قمر رئیس، علی گڑھ یونیورسٹی پبلشرز، علی گڑھ، ۱۹۶۰ء، ص ۸۸
۱۶۔ حمید شاہد، ''چاہ درپیش اور پنگھڑی کا گداز''، روزنامہ ''پاکستان، پیر ۱۹ اگست ۱۹۹۳ء
۱۷۔ ایضاً
۱۸۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، فلیپ ''چاہ درپیش'' (وقار بن الٰہی)، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، طبع اول ۲۰۰۰ء
۱۹۔ رشید امجد، ڈاکٹر، ''افسانوں کے دو مجموعے'' مشمولہ ''اوراق'' لاہور، ص ۳۶۲
20۔ Daily "The Pakistan Times", Wednesday, 13 January, 1993
۲۱۔ منشایاد، ''چاہ درپیش'' (مضمون) غیر مطبوعہ
۲۲۔ ادیب سہیل، فلیپ ''چاہ درپیش'' (وقار بن الٰہی)، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، طبع اول ۲۰۰۰ء
۲۳۔ انور سدید، ڈاکٹر، تبصرہ ''اترنا دریا میں'' مشمولہ ''اوراق'' لاہور، نومبر دسمبر سالنامہ، ۱۹۹۲ء، ص ۴۰۵